© rasailojaraid.com

کی بنا پر اس کا نام "نیا ادب" رکھا گیا ہے۔

"ترقی پسند مصنفین" کی اصطلاح کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ ایک مخصوص بولی میں ترقی پسند مصنف وہ کہلاتا ہے جو کمیونسٹ خیالات و نظریات کا قائل و ترجمان ہو، دنیا کے ہر مسئلہ پر، پیٹ کے مسئلہ کو مرکز مان کر رائے زنی کرے، اور ہر گفتگو کی ابتدا مزدور اور کسان کے لفظ سے کرے۔ اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ معاشرتی خرابیوں اور معاشی بے انصافیوں کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے، نیز ادب کو زندگی کا ترجمان اور خادم ہونا چاہیے مگر بھولنا نہ چاہیے کہ ہر حرکت کے لیے ایک مخصوص حد ہوتی ہے جب وہ اس حد سے آگے قدم رکھے گی تو خیر کے بجا شر بن جائے گی۔ انقلاب کا خیر مقدم کرنا چاہیے مگر اس کی تخریبی فطرت کا لحاظ رکھ کر۔

تاریخ اخلاق اسلامی حصہ اول تالیف مولانا عبد السلام ندوی۔ ضخامت ۴۷۲ صفحات۔ قیمت عیہ دار المصنفین۔ اعظم گڈھ۔

دار المصنفین نے علوم اسلامی کی جو زرین خدمات گذشتہ ۲۵ سال میں انجام دی ہیں، اُن میں ایک تازہ اضافہ اِس کتاب کی تالیف و اشاعت بھی ہے۔ اسلامی اخلاق کی کوئی مرتب تاریخ اب تک غالباً خود عربی زبان میں بھی نہیں لکھی گئی۔ یہ پہلا قدم ہے جو اس راہ میں اٹھایا گیا ہے، اور اردو زبان خوش قسمت ہے کہ اس کے ادب میں ایسی ایک بیش قیمت چیز کا اضافہ ہوا۔

زیر تبصرہ کتاب اس سلسلہ کی صرف پہلی جلد ہے جس میں عرب جاہلیت اور روم و عجم کے اخلاقیات کو مختصراً بیان کرنے کے بعد قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کو تفصیل کے ساتھ مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان تعلیمات کا اہل عرب کی زندگی پر کیا اثر ہوا۔ فاضل مولف نے اپنے مقدمہ میں ارادہ ظاہر کیا ہے کہ بعد کی جلدوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ خلافت راشدہ، بنی امیہ، بنی عباس اور بعد کے زمانوں کی اخلاقی تاریخ بھی اسی طرز پر مرتب کریں گے۔ چونکہ یہ اس راہ میں پہلی کوشش ہے اس لیے اس میں کوتاہیوں کا پایا جانا کوئی قابلِ تعجب بات نہیں۔ ابتدائی کوششیں عموماً ناقص ہی ہوتی ہیں۔ ان کی اصلی خدمت یہی ہوتی ہے کہ ان سے بعد کے کام کرنے والوں کے لیے راستہ صاف ہوجاتا ہے اور بہت سا خام مواد وہ بعد کے معماروں کے لیے فراہم کردیتی ہیں۔ اس لحاظ سے ہم اس کتاب کی قدر کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس کی بعض نمایاں کمزوریوں کی طرف اشارہ بھی کردیتے ہیں۔

اس کتاب کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولف کے سامنے اپنے موضوع کا کوئی صحیح تصوّر موجود نہیں ہے بلکہ مختلف قسم کے مبہم تصورات ان کے ذہن میں باہم مختلط ہوگئے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے دیباچہ میں بیان کیا ہے، ان کو لیکی کی تاریخ اخلاق یورپ دیکھ کر تاریخ اخلاق اسلامی لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اسی چیز نے دراصل ان کی غلط رہنمائی کی ہے۔ انہوں نے خیال کیا کہ ان کا کام بھی لیکی کے کام سے ملتا جلتا ہے۔ اُس نے یورپین اقوام کے اخلاقیات کی تاریخ لکھی ہے۔ یہ اس کے جواب میں مسلمان نامی ایک قوم کے اخلاق کی تاریخ لکھ دیں۔ حالانکہ دونوں کے موضوع اصولی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لیکی کے سامنے ایک خاص سرزمین کے باشندے تھے، اور اسے یہ بتانا تھا کہ ان لوگوں کی زندگی پر مختلف اخلاقی فلسفوں نے کیا اثرات ڈالے۔ بخلاف اس کے تاریخ اخلاق اسلامی لکھنے والے کے سامنے کوئی قوم نہیں ہے بلکہ اس کے سامنے دراصل تعمیر انسانیت کی ایک تحریک ہے جو اپنے مخصوص اخلاقی فلسفہ پر ایک نظام تہذیب کی بنیاد اٹھانا چاہتی ہے، لہٰذا اس کو سب سے پہلے اس تحریک کی اخلاقی روح، اس کا فلسفہ، اور اس کے اصول پیش کرنے چاہییں تاکہ ناظر کے سامنے اس کی پوری تصویر آجائے، پھر یہ بتانا چاہیے کہ جن لوگوں نے اس تحریک کو قبول کیا انکی زندگی کا نقشہ اس نے کس طرح بنایا، اپنے اصولوں کو زندگی کے جزئی و تفصیلی معاملات میں کس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح جاری کیا، اور اس وقت کے ذہنی، تمدنی، معاشی اور سیاسی حالات میں اپنی روح کو کن کن طریقوں سے داخل کیا۔ اس کے بعد اسے یہ دکھانا چاہیے کہ اس تحریک کے زیر اثر آنیوالے لوگ، جو اسی حیثیت سے مسلمان کہلاتے ہیں، تاریخ کے دوران میں کن کن تغیرات سے گذرے ہیں۔ اُن کی زندگی جو ابتداءً بالکلیہ اس تحریک کی مظہر تھی، بعد کے ادوار میں کس طرح اور کس تدریج کے ساتھ دوسرے اخلاقی تصورات سے متاثر ہوتی رہی، اور اس مرکب زندگی میں اسلامی اثر اور غیر اسلامی اثرات کے مظاہر کس طرح ایک دوسرے سے ممیز ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ تاریخ اخلاق اسلامی کے مصنف کو دراصل ایک تحریک کی تاریخ لکھنی ہے، نہ کہ ایک قوم کی۔ اگر اسکا موضوع یہ نہیں ہے تو اسے اپنی کتاب کا نام بدل کر تاریخ اخلاق مسلمین رکھنا چاہیے۔

اپنے موضوع کا واضح تصور سامنے نہ رکھنے ہی کی وجہ سے مولف نے کتاب کا آغاز اخلاقِ عرب قبلِ اسلام کے ذکر سے کیا ہے، اور ضمناً روم و ایران کی اخلاقی حالت بیان کرکے قرآن کی اخلاقی ہدایات مفصلاً نقل کرنی شروع کردی ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھ لیتے کہ انہیں دراصل ایک تحریک کی تاریخ لکھنی ہے تو وہ اُن مختلف اخلاقی فلسفوں اور اخلاقی تصورات پر اصولی بحث کرتے جو دنیا میں اس وقت پائے جاتے تھے، اور یہ بتاتے کہ اسلامی تحریک اپنی اسپرٹ، اپنے تصورِ اخلاق، اور اپنے اصول میں اُن سے کس طرح ممیز ہوتی ہے، اور ہر ایک کے عملی مظاہر کس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اسی ملتی جلتی غلطی یہ بھی ہے کہ اسلام کے اصول اخلاق اور اسکی تعلیمات کے مقابل میں محض عرب جاہلیت یا روم و ایران کی اس عملی حالت کو پیش کرنے پر اکتفا کیا جائے جو ظہور تحریک اسلامی کے وقت پائی جاتی تھی۔ اس کا فائدہ صرف اتنا ہی ہے کہ پڑھنے والے کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ جب اسلام ظاہر ہوا تو لوگوں کی کیا حالت تھی اور اسلام نے انہیں کیا بنا دیا۔ مگر اصلی تقابل اصول کا اصول سے، تصورات کا تصورات سے اور فلسفہ کا فلسفہ سے ہے نہ کہ عام لوگوں کی عملی حالت سے۔ لہٰذا ایک تحریک کی تاریخ لکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ان اخلاقی معیارات کو مقابلہ میں پیش کرے جن پر اس تحریک کے ظہور کے وقت عوام اور خواص بحیثیت مجموعی اعتقاد رکھتے تھے۔

اس کتاب کی یہ چند بنیادی کمزوریاں اس لیے بیان کردی گئی ہیں کہ جناب مولف خود، یا انکے بعد جو لوگ آئندہ اس موضوع پر قلم اٹھائیں وہ ان کا لحاظ رکھیں۔ اور اہل بصیرت ناظرین اس کا مطالعہ ایسی توقعات کیساتھ نہ کریں جنہیں یہ کتاب پورا نہیں کرسکتی۔ لیکن ان کمزوریوں کے باوجود اس میں ایسا مواد موجود ہے کہ جو شخص انصاف کی نظر سے اسکو دیکھے گا اس کے دل پر اسلامی اخلاق کی بزرگی، جامعیت، اور شانِ توازن و اعتدال کا نقش مرتسم ہوجائیگا۔

© rasailojaraid.com